پروفیسر محمد صدیق

اقبال اور ابوالخیر عبداللہ

علامہ اقبال کو برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی، تہذیبی، مذہبی اور تعلیمی تحریکوں سے گہری اور پُرخلوص دلچسپی رہی ہے۔ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی بہتری اور ترقی کے لیے یہاں کی سیاسی اور تعلیمی سرگرمیوں میں عملی حصہ بھی لیا۔ اقبال ہر اس ادارے کی ترقی اور فروغ کے خواہاں تھے جو مسلمانانِ ہند کی تعلیمی اور سماجی فلاح و بہبود کے لیے کوئی بہتر کام کرتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کی زبوں حالی اور تعلیمی پس ماندگی کے خلاف جہاد جاری تھا۔

بیسویں صدی کے ربع اوّل میں مسلمانانِ برصغیر نے بڑی بڑی تحریکیں چلائیں، جن کا تعلق برطانوی استعمار کے خلاف جدوجہد تھا۔ تحریکِ خلافت سے ہندوستان کے مسلمانوں کو جذباتی وابستگی تھی اور اس کے اثرات کے بعد ان میں مایوسی اور نا امیدی چھا چکی تھی۔ ۱۹۲۵ میں ہندوستان کے مختلف شہروں اور طبقوں کے حساس مسلمانوں نے احیائے اسلام کے لیے سوچ بچار شروع کر دی۔ علی گڑھ میں ڈاکٹر ظفر الحسن صدر شعبہ فلسفہ مسلم یونیورسٹی اور مشرقی پنجاب میں میر غلام بھیک نیرنگ انبالوی اس موضوع کو بالخصوص مرکزِ غور و فکر ٹھہراتے تھے۔

اسی زمانے میں لاہور کے چند تعلیم یافتہ افراد نے اس طرف توجہ دی۔ ان میں خواجہ عبدالوحید اور مولانا ابوالخیر عبداللہ بھی شامل تھے۔ علامہ اقبال کے مداحین ایک جمعیت بنانے کے متعلق غور و فکر کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت علامہ سے مفصل گفتگو ہو چکی تھی اور سب احباب کا خیال تھا کہ اس جماعت کی قیادت علامہ اقبال کے سپرد ہو۔ مولانا ابوالخیر عبداللہ اس انجمن کے سرگرم اور بانی ارکان میں سے تھے اور وہ علامہ کے بہت مداح تھے۔ اکثر علامہ کی خدمت میں جاتے اور ان سے استفادہ کرتے۔ دونوں میں یہ علمی تعلق جو جوانی میں پیدا ہو گیا تھا، آخر دم تک قائم رہا۔

خواجہ عبدالوحید اپنی بیاض میں تحریک شبانِ المسلمین کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہیں۔ ان کی ڈائری کے اوراق کے مندرجات میں اس انجمن کے ارکان کے نام بھی موجود ہیں۔ اس انجمن کی تشکیل کے

متعلق ڈاکٹر سید ظفر الحسن سے مفصل خط و کتابت ہو چکی تھی، اس لیے انھوں نے محمد محمود اور برہان احمد فاروقی کو اس انجمن کی ابتدائی کاروائیوں میں شرکت کے لیے علی گڑھ سے بھیجا۔ مولانا ابوالخیر عبداللہ اس انجمن کے سرگرم رکن تھے اور اس کے ہر جلسے میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ انجمن کی تمام کارروائی خواجہ عبدالوحید کے گھر پر ہوتی تھی۔ ایک جلسے کی کارروائی خواجہ عبدالوحید کی زبانی پیش خدمت ہے۔

"۲۹ اپریل ۱۹۳۵ء — تین بجے صوفی (تبسم) صاحب اور شیخ حسام الدین (میرے مکان پر) تشریف لائے۔ ساڑھے تین بجے ابوالخیر (عبداللہ) صاحب اور (محمد شریف) پنی صاحب آ گئے۔ پھر علی گڑھ والے اصحاب تشریف لائے۔ ساڑھے پانچ بجے تک اجتماع رہا۔ مجوزہ جمعیۃ شبان المسلمین کے متعلق طویل گفتگو ہوئی اور ہر معاملے میں ہم سب لوگوں کی رائے متفق ہوئی۔ ساڑھے پانچ بجے مہمان رخصت ہوئے۔

علی گڑھ سے جو بزرگوار تشریف لائے تھے ان میں سے ایک محمد محمود صاحب مسلم یونیورسٹی میں فلاسفی کے لیکچرار ہیں اور دوسرے برہان احمد (فاروقی) صاحب وہاں ریسرچ اسکالر ہیں۔ اوّل الذکر بہت ذہین اور سمجھ دار ہیں۔ ان کی گفتگو دلپذیر اور پسندیدہ ہے۔ دوسرے صاحب بہت کم بات کرتے تھے، اگرچہ بات کرنا جانتے ضرور تھے۔ ان لوگوں کا خلوص، ان کا جوش دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ ان کا علی گڑھ سے لاہور آنا ہی ان کے خلوص اور جوش کا زبردست ثبوت تھا۔"[1]

انجمن کے ارکان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اس کی صدارت علامہ اقبال قبول کریں۔ خواجہ عبدالوحید انجمن کی تشکیل کے متعلق علامہ سے پہلے ہی بات چیت کر چکے تھے۔ آپ انجمن کے متعلق مولانا ابوالخیر عبداللہ کے مشوروں کو زیادہ وقعت دیتے تھے۔ مولانا کا خیال تھا کہ انجمن کا قیام جلد عمل میں لایا جائے۔ مگر علامہ اس زمانے میں بھوپال گئے ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب کا خیال تھا کہ اقبال کی واپسی سے قبل تمام ابتدائی کارروائی مکمل ہو جائے۔ آپ نے اپنی بیاض میں اس کارروائی کو مندرجہ ذیل الفاظ میں قلم بند کیا ہے۔

"۱۹ اگست ۱۹۳۵ — پرسوں سردار محمد خان صاحب سے تبادلۂ خیالات ہوا اور اسی روز (محمد شریف) پنی صاحب

---

[1] اقبال کے حضور از خواجہ عبدالوحید۔ نقوش اقبال نمبر ۱۲۴ — ص ۳۹۹

اور ابوالخیر (عبداللہ) صاحب سے گفتگو ہوئی۔ احباب کا خیال تھا کہ سر اقبال کے زیر قیادت جماعت کا قیام فی الفور شروع کر دیا جائے۔ ادھر آج سردار محمد اور (مولوی خدا بخش) ارمان صاحب کی معیت میں حضرت مولانا (احمد علی صاحب) سے تبادلہ خیالات کیا اور جلد از جلد دوسرا سلسلہ قائم کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا گیا۔ اس سلسلے میں تجویز ہوئی کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب کی طرف سے ایک دو آدمی مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی خدمت میں حاضر ہو کر تجویز پیش کریں اور درخواست کریں کہ وہ اس سلسلے کی امارت قبول فرمائیں اور صوبہ وار نائب امیر مقرر فرما دیں۔ دوسری طرف آئندہ چہار شنبہ کے روز میرے مکان پر اجتماع ہوگا اور علامہ سر محمد اقبال کے عقیدت مندوں کو اپنی تنظیم پر آمادہ کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ علامہ کی بھوپال سے واپسی تک تمام کام تیار ہو جائے۔[۵۲]

ارکان کے تفصیلی غور و خوض کے بعد آخر انجمن کے قواعد و ضوابط تیار کیے گئے۔ اس کا نام انجمن شبان المسلمین رکھا گیا اور اس کے یوم تاسیس ۲۱ اگست ۱۹۳۵ کو مندرجہ ذیل اصحاب منتخب ہوئے۔

انجمن کا نام	جمعیۃ شبان المسلمین
یوم تاسیس	۲۱ اگست ۱۹۳۵
صدر	علامہ اقبال
پروویژنل سکرٹری	نجم الثاقب
خزانچی	بدرالدین بدر

اس جلسے میں سید نذیر نیازی، مولانا ابوالخیر عبداللہ، ڈاکٹر عبدالغنی، ڈاکٹر عبدالحمید ملک، ثاقب، افضل، عبدالرشید طارق، محمد شریف بنی، خواجہ غلام دستگیر اور مولوی خدا بخش ارمان نے شرکت کی تھی۔ خواجہ عبدالوحید صاحب نے اس دن کے جلسے کی کاروائی کو اپنی بیاض میں مندرجہ ذیل میں قلم بند کیا ہے۔

"۲۱ اگست ۱۹۳۵ــــ آج ہمارے ہاں مجوزہ جمعیۃ شبان المسلمین کے ہمدردوں کا جلسہ ہوا، جس میں جمعیۃ کی بنیاد رکھ دی گئی ــــ نیز ارکان نے تحریری طور پر اطاعتِ امیر کا عہد کیا اور جمعیۃ کی امارت کے لیے علامہ سر محمد اقبال کا اسم گرامی تجویز ہوا۔ پروویژنل سکرٹری کا کام ثاقب صاحب کے سپرد ہوا اور خزانچی (بدرالدین) بدر صاحب مقرر ہوئے۔

---

۵۲ اقبال کے حضور از خواجہ عبدالوحید ــ نقوش اقبال نمبر ۱۲۳ ــ ص ۳۹۹ ــ ۴۰۰

آج ہمارے ہاں کا اجلاس بہت کامیاب رہا۔ غیر معمولی رونق تھی۔ نذیر نیازی صاحب نے گفتگو کو بہت پُرلطف بنا دیا۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالغنی بھٹی، ڈاکٹر عبدالحمید ملک، ثاقب صاحب، افضل صاحب، (بدرالدین) بدر صاحب، (عبدالرشید) طارق صاحب، ابوالخیر (عبداللہ) صاحب، (محمد شریف) پنی صاحب، خواجہ غلام دستگیر صاحب اور (مولوی خدابخش) ارمان صاحب بھی تھے۔[۵۳]

جمعیۃ شبان المسلمین کا نصب العین ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج اور اقبال تھا۔ اس عظیم اور اہم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ارکان کی تعداد میں اضافہ بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ سارے ملک میں رکن سازی کی مہم کو شروع کرنے کے لیے باقاعدہ فارم طبع کرائے گئے۔ فارم کی نقل درج ذیل ہے۔

"۱۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج و اقبال کے حصول کے لیے جو جماعت قائم کی گئی ہے، میں اس کا رکن بننے کے لیے تیار ہوں۔ اور اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ امیر کی اطاعت قرآن و سنت کے مطابق بہر حال اور ہر وقت بلا چون و چرا کروں گا۔

۲۔ میں متمنی ہوں کہ اس جماعت کی امارت علامہ سر محمد اقبال مدظلہٗ کے دست مبارک میں ہو۔

نام ..... پتا ..... دستخط ....."[۵۴]

جمعیۃ شبان المسلمین بوجوہ ترقی نہ کر سکی، چنانچہ اس کا آخری جلسہ ۱۴ مارچ ۱۹۳۶ کو خواجہ عبدالوحید کے گھر پر منعقد ہوا۔ اس اہم جلسے میں راجہ حسن اختر، پروفیسر منیر الدین، نجم الثاقب، محمد شریف پنی، ڈاکٹر عبدالغنی بھٹی اور مولانا ابوالخیر عبداللہ نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں انجمن کے مقاصد پر مفصل بحث کے بعد یہ بات علم میں آئی کہ لوگ جمعیۃ کے اغراض و مقاصد پر کلی طور پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہتے بلکہ وہ اس جمعیۃ کی صرف ایک شق یعنی حضرت علامہ کے نظریات کی تشہیر چاہتے تھے۔ اس کے لیے وہ ایک دار المطالعہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح کے باہمی اختلافات کی بنا پر جمعیۃ نشو و نما نہ پا سکی۔ خواجہ عبدالوحید نے اس جلسے کی کارروائی کو اپنی بیاض میں ان الفاظ میں رقم کیا ہے۔

۱۴ مارچ ۱۹۳۶ — آج میرے مکان پر معتقدین اقبال کا اجتماع ہوا، جس میں راجہ حسن اختر صاحب اور پروفیسر منیر الدین کے علاوہ ثاقب صاحب، (محمد شریف) پنی صاحب، ابوالخیر (عبداللہ)، ڈاکٹر (عبدالغنی) بھٹی صاحب

---

۵۳ اقبال کے حضور از خواجہ عبدالوحید۔ نقوش اقبال نمبر ۱۲۳، ص ۴۰۰ ۵۴ ایضاً، ص ۴۱۷

بھی شریک ہوئے اور ظاہر ہوا کہ لوگ اصل تجویز دربارہ جمعیۃ شبان المسلمین پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نہیں۔ وہ سب محض اس بات کے حامی تھے کہ ایک دارالمطالعہ قائم کیا جائے۔ جہاں اقبال کی کتابوں کا مطالعہ اور ان کی تعلیمات کی نشر و اشاعت ہوا کرے۔ چنانچہ اس پر یہ اجلاس ختم ہوگیا۔"[۵۵]

جمعیۃ کی ابتدا سے اس کی انتہا تک مولانا ابوالخیر عبداللہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ وہ معتقدِ اقبال تھے۔ اس کے علاوہ مولانا مختلف اوقات میں علامہ کے پاس آتے رہتے تھے۔ وہ ان بہت سی علمی، ادبی، مذہبی اور تعلیمی مجلسوں میں شریک رہے تھے جن میں علامہ اقبال موجود ہوتے تھے۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ایک علمی محفل کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۹۲۷ میں سید سلیمان ندوی انجمن حمایتِ اسلام کے ۴۲ ویں سالانہ جلسے کی تقریبات میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے۔ یہ جلسہ ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ اپریل ۱۹۲۷ کو اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کی وسیع گراونڈ میں منعقد ہوا تھا۔ سید صاحب کا پنجاب میں یہ پہلا دورہ تھا، اس لیے لاہور کے مختلف علمی اور ادبی حلقوں میں ان کے شایانِ شان پذیرائی کی گئی۔ سید صاحب نے مولانا ظفر علی خان کے ہاں دفتر "زمیندار" میں قیام کیا تھا اور اسی دفتر میں ۱۵ اپریل ۱۹۲۷ء کو علامہ اقبال کی پہلی مرتبہ سید صاحب سے بالمشافہ ملاقات ہوئی۔

سید صاحب کے اعزاز میں بہت سی پُرتکلف اور شاندار دعوتیں دی گئیں۔ ان مجالس میں انواع و اقسام کے کھانوں کے علاوہ مذہبی، علمی اور ادبی مسائل پر بحثیں بھی ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی نے ایک دعوتِ طعام کا ذکر کیا ہے جو پروفیسر خواجہ محمد سلیم، شعبہ انگریزی، لاہور گورنمنٹ کالج، نے اپنے گھر پر سید صاحب کے اعزاز میں دی تھی۔ اس میں ملک کی نامور ادبی، مذہبی، سیاسی اور تعلیمی شخصیات مدعو تھیں۔ اس دعوت میں مولانا ابوالخیر عبداللہ بھی شریک تھے۔

"قبلہ سید صاحب (سید سلیمان ندوی) کو خواجہ محمد سلیم نے اپنے مکان واقع کوٹھی داراں کشمیری بازار پرانی کوتوالی کے قرب میں دعوتِ طعام دی۔ جس کی تاریخ ۱۷ اپریل (۱۹۲۷) اتوار کے دن طے ہوئی۔ اس دعوت میں خاص طور پر سید صاحب کو چند علمی مخطوطات سے روشناس کرانا مقصود تھا جو

---

۵۵ اقبال کے حضور از خواجہ عبدالوحید۔ نقوش اقبال نمبر ۱۲۳ - ص ۴۰۰

خواجہ محمد سلیم (حال پروفیسر لسان انگریزی، گورنمنٹ کالج لاہور) کے مجموعہ علمی نوادرات میں تھے۔ یہ دعوت کئی حیثیتوں سے لاہور میں ایک یادگار دعوت ہے۔ اس دعوت میں ذیل کے حضرات شامل تھے۔

پروفیسر شیرانی صاحب مرحوم، پروفیسر اقبال مرحوم، سید طلحہ صاحب، خواجہ عبدالوحید، ملک عنایت اللہ، ملک محمد امین ایڈووکیٹ، ملک لطیف (حال اسٹیشن ماسٹر لاہور)، مولانا ظفر علی خان، چودھری محمد حسین، سید عبداللہ (ڈاکٹر سید محمد عبداللہ سابق پرنسپل اورینٹل کالج)، ابوالخیر عبداللہ، مسٹر بشیر بمبئی بوٹ ہاؤس ڈبی بازار، ملک لال دین قیصر، مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالمجید سالک، بابو عبدالماجد صاحب، علامہ سر محمد اقبال، سید سلیمان ندوی، شیخ عبدالرشید اور سید واحد شاہ ایڈووکیٹ۔"[۵۶]

سید سلیمان ندوی نے خواجہ محمد سلیم کے ہاں کی دعوت کے بارے میں یوں لکھا ہے۔ مگر وہ خواجہ صاحب کا نام محمد سلیم کی بجائے سلیم الدین لکھ گئے ہیں۔

"خواجہ سلیم الدین صاحب نے ممتاز اہل علم اور نوجوان دل دادگانِ فن کو اپنے "خوانِ نعمت" پر جمع کیا اور ایک غریب الدیار کی عزت بڑھائی۔"[۵۷]

مولانا ابوالخیر عبداللہ عاشقِ اقبال تھے۔ آپ علامہ اقبال کی تعلیمات اور فلسفے کے زبردست حامی تھے۔ علامہ کی ذات میں مولانا کو عظیم عاشقِ رسولؐ کے علاوہ نجات دہندہ انسانیت نظر آتا تھا یہاں مولانا ابوالخیر عبداللہ کا مختصر سوانحی خاکہ یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کیونکہ مولانا کی شخصیت میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جن کو علامہ اقبال ایک مردِ مومن کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ مولانا توکل، استغنا اور عشقِ رسول کی مجسم تصویر تھے۔

مولانا کا نام محمد عبداللہ تھا۔ مگر بعد میں آپ نے اپنے نام کے شروع میں اپنی کنیت ابوالخیر کا اضافہ کر لیا تھا۔ اس طرح ان کا پورا نام "ابوالخیر محمد عبداللہ" ہو گیا۔ لیکن عام طور پر وہ "ابوالخیر عبداللہ" ہی لکھا کرتے تھے۔ کالج میں تمام احباب ان کو صرف "مولانا" کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔

آپ ۱۶ جولائی ۱۹۰۳ء کو خلیفہ سعادت الدین کے ہاں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بہت

---

۵۶ علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی از عبداللہ چغتائی (مطالعہ اقبال مرتبہ گوہر نوشاہی)، ص ۷۷

۵۷ اقبال، سلیمان ندوی کی نظر میں۔ اختر راہی، ص ۲۳۹

متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔ آپ کا گھرانہ مذہبی تھا۔ اس ماحول میں پرورش پاکر مولانا نے سکول کی تعلیم سے فراغت پائی اور ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ آفس ریلوے میں تقریباً دس سال تک ملازمت کرتے رہے۔ اسی ملازمت کے دوران ایم اے فارسی کا امتحان پاس کیا۔ علم وادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ دفتری فائلوں میں طبیعت اچاٹ رہتی تھی۔ چنانچہ ریلوے کی ملازمت چھوڑ کر مختصر عرصے کے لیے گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں زبان وادبیات فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ مگر گھریلو مجبوریوں اور ذمہ داریوں کے سبب لاہور سے باہر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لیے مارچ/اپریل ۱۹۴۷ کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اردو اور پنجابی مخطوطات کی فہرست سازی کی اہم خدمت قبول کی اور دسمبر ۱۹۵۷ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ یہ سلسلہ ان کے علمی اور ادبی مزاج کے عین مطابق تھا، اس لیے نہایت حسن وخوبی سے جاری رہا۔ ۷ر دسمبر ۱۹۵۷ کو وہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں شعبہ فارسی سے منسلک ہوگئے اور یونیورسٹی لائبریری میں مخطوطات کی فہرست سازی سے مستعفی ہوگئے۔ ۱۹۵۸ میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ اور اسلامیہ کالج سول لائنز کو جو کہ پہلے ایک ہی پرنسپل کے ماتحت، ایک ہی کالج متصور ہوتا تھا، دو الگ الگ کالجوں کی حیثیت دے دی گئی تو اسلامیہ کالج سول لائنز کے پہلے پرنسپل، علم وادب کے گوہر شناس پروفیسر حمید احمد خاں (۱۹۰۳ - ۱۹۷۴) مقرر ہوئے۔ پروفیسر حمید احمد خان نے اس کالج کو ماڈل کالج بنانے کے لیے علم وادب کے بڑے بڑے اساتذہ کو یہاں جمع کر لیا چنانچہ وہ مولانا کو ریلوے روڈ سے اس کالج میں لے آئے۔ ۲۸ر مئی ۱۹۶۹ء تک مولانا جانفشانی سے علم وادب کے موتی اپنے طلبا پر نچھاور کرتے رہے۔ لاہور کی زمین سے اُٹھنے والا یہ خمیر تقریباً چونسٹھ سال کی جدوجہد سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد پھر اسی خاک میں پیوند ہوگیا۔

درمیانہ قد، دوہرا جثہ، وضع دار اور مرنجان مرنج اور چہرے پر مستقل مسکراہٹ کا نام ابوالخیر عبداللہ تھا۔ جس زمانے میں آپ اقبال کے پاس جاتے تھے، اس وقت تیس بتیس سال کے تنومند اور پُرجوش جوان ہوں گے۔ مگر جب میں نے ان کو دیکھا اس وقت ان کے ہاتھ اور پاؤں میں رعشہ تھا۔ کمزور مگر بلند حوصلہ تھے۔ حرفِ شکایت سے ان کی زبان ناآشنا تھی۔ سادہ مگر بے داغ لباس زیب تن کرتے تھے۔ کیا مجال لباس پر کوئی دھبہ ہو۔ ان کے صاف شفاف کپڑوں کی مانند ان کا دل بھی اجلا اور صاف تھا۔ سب کا احترام کرتے تھے، اس لیے سب کے محترم تھے۔

زبان و ادبیاتِ فارسی اور اُردو کے عالم تھے۔ مگر ریاکاری اور منافقت کے معنی سے آگاہ نہ تھے۔ نیکی اور راستی، خوش خصالی اور خوش طبعی ان کی شخصیت کا حصہ تھیں۔ کم آمیز اور کم سخن تھے، مگر مردم بیزار نہ تھے۔ آپ کی ذات بے شمار صفاتِ جمیلہ اور اوصافِ حمیدہ سے مزین تھی۔

نہایت مہربان، ہمدرد، خلیق، ملنسار اور مشفق استاد تھے۔ طلبا کی راہنمائی اور ان کے تعلیمی مسائل کے حل کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے۔ پابندیٔ وقت میں یگانہ تھے۔ کلاس میں مقررہ وقت پر پہنچ کر سبق کا آغاز کرنا، سبق کو لفظاً لفظاً پڑھانا۔ نظم و نثر کے صوری اور معنوی محاسن و عیوب بیان کرنا، ان کی شخصیت کا جزو بن چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ شہر لاہور میں فارسی کے قدیم اسلوبِ تدریس میں بے مثال تھے۔

مولانا نے زندگی کے مصائب اور مسائل کا مقابلہ جواں مردی، ثابت قدمی اور استقلال سے کیا۔ آپ کی رفیقۂ حیات تین بچیوں اور دو بچوں کو کم سنی میں ان کے حوالے کر کے خود مالکِ حقیقی کے پاس چلی گئیں، لیکن مولانا ان بچوں کے لیے باپ کا سایہ اور ماں کی ممتا کی مکمل تصویر بن گئے۔ اس مصیبت میں راضی برضا تھے۔ اس دور میں ان کی رشتے کی ایک بہن ان کی حقیقی مددگار ثابت ہوئیں، جنھوں نے بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت اور ان کے شادی بیاہ میں مولانا کا ساتھ دیا۔

مولانا کی شخصیت توکل کی عمدہ اور مکمل تصویر تھی۔ دو چھوٹی بچیوں کی شادی کی تاریخ تک طے ہو چکی تھی مگر گھر میں شادی کا سامان اور جہیز نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ان کی بہن روز تقاضا کرتیں کہ ان بے ماں بچیوں کی باعزت رخصتی کے لیے پیسوں کا بندوبست کرو۔ مگر وہ صبر و رضا اور توکل کے پتلے ہمیشہ ایک ہی جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ ضرور انتظام کر دے گا۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ اہلِ خانہ بے قرار اور فکر مند مگر مولانا پُرسکون اور مطمئن تھے، حتیٰ کہ ایک دن مولانا کا ایک حبیب صدیق ان کی ملاقات کو آیا اور دورانِ گفتگو ذکر کیا کہ ایک سو روپے ماہوار سے دس ہزار روپے کی ایک کمیٹی شروع کر رہا ہوں۔ مولانا نے ان سے اپنی ضرورت کا اظہار کیا، اور اس نے مولانا کو پہلی کمیٹی دے دی۔ اس طرح اس دس ہزار روپے کی رقم سے وہ اپنے فرض سے بخیر و خوبی سرخرو ہوئے۔ خدائے بزرگ و برتر اپنے بندوں کو ناامید نہیں کرتا۔

مولانا سراپا شرافت اور پیکرِ دیانت تھے۔ دنیا کے زر و مال سے بے نیاز، صدق و صفا کا نمونہ

تھے۔ ساری زندگی کرایہ کے مکان میں رہے۔ یہ گھر ایک سکھ ڈاکٹر سنت سنگھ کی ملکیت تھا۔ ڈاکٹر سنت سنگھ اندرون شاہ عالمی دروازہ (حال شاہ عالم مارکیٹ) میں پریکٹس کرتا تھا ــــ ۱۹۴۷ فسادات کا زمانہ تھا، پاکستان ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ کوئی مسلمان اندرون شاہ عالمی دروازہ جانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ مگر مولانا اس زمانے میں بھی باقاعدگی سے ہر ماہ اپنے مالکِ مکان کو اس کی دکان پر کرایہ پہنچانے جایا کرتے تھے۔ پاکستان بن چکا تھا۔ ڈاکٹر سنت سنگھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیش کش کی کہ یہ مکان آپ مجھ سے اپنے نام لکھوالیں۔ مولانا نے اس تجویز کو مسترد کردیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ بددیانتی تھی۔ پھر ایک دور بحالیات کا تھا کہ کیسے کیسے لوگ کیا کیا بن گئے۔ مگر مولانا نے پھر بھی یہ گھر اپنے نام منتقل نہیں کرایا، حالانکہ واجب الادا کرایہ ایک ہزار روپے تھا اور اس کی کل قیمت آسان قسطوں میں ادا کی جاسکتی تھی۔ مولانا نے کبھی قرض نہیں لیا تھا۔ اس درویش منش کے پاس ایک ہزار روپے کہاں تھے، اور نہ اس غیور نے کسی عزیز سے ایک ہزار روپے مستعار لینا پسند کیا۔ نصف صدی تک اس گھر میں رہے، نوجوانی سے موت تک، مگر مکان کسی اور مسلمان دوست کے نام منتقل کروادیا اور اس طرح خود ڈاکٹر سنت سنگھ سے اس مسلمان کے کرایہ دار بن گئے۔ دیانت اور درویشی کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ ان کے بڑے لڑکے ڈاکٹر محمد عبدہ ماجد اب بھی اس گھر میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہائش پذیر ہیں۔

۱۹۵۰ مولانا کے لیے خوشی لے کر نہ آیا۔ اس سال ان کو اپنے نوجوان طالب علم بیٹے کی نعش کو کندھا دینا پڑا۔ محمد شعیب میٹرک کا ہونہار طالب علم تھا کہ اللہ کو پیارا ہوا۔ مولانا اس صدمہ جانکاہ سے شدید افسردہ دل ہوگئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش تھے۔ اپنی زندگی میں ہی تمام ذمہ داریوں سے سرخرو ہوچکے تھے۔

یونیورسٹی لائبریری میں جناب ڈاکٹر سید عبداللہ کی زیرِ نگرانی مخطوطات کی فہرست سازی کا شعبہ کام کر رہا تھا۔ مولانا اپریل ۱۹۴۷ سے دسمبر ۱۹۵۷ تک اسی شعبے سے منسلک رہے۔ آپ نے اس عرصے میں شیرانی، آزاد، کیفی، پیرزادہ اور جنرل کولیکشن کے تقریباً اڑھائی ہزار مخطوطات کی توضیحی فہرست مرتب کی۔ بادامی رنگ کے کاغذ پہ مرتب شدہ یہ فہرست یونیورسٹی لائبریری میں "ابوالخیر عبداللہ کیٹلاگ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کیٹلاگ یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے مگر ابھی تک ــــ

(باقی صفحہ ۲۱ پر)